ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۸/۲، جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۳ء

افاداتِ فراہی

تفسیر قرآن میں نظم کلام کی مشکلات

ترتیب و ترجمہ: خالد مسعود

متعدد وجوہ ایسی ہیں جن کے باعث قرآن کا نظم یا تو واقعی مخفی ہو گیا ہے یا قاری سے مخفی رہتا ہے۔ ان وجوہ میں سے بعض کا تعلق کلام کی خصوصیات سے اور بعض کا خود قاری کی ذات سے ہے۔ ہم یہاں چند نمایاں وجوہ کی طرف اشارہ کریں گے۔

خصوصیات کلام پر مبنی وجوہ

۱۔ کلام کے بعض اجزاء کو بیان میں اس لئے حذف کر دیا جاتا ہے کہ ان کی طرف رہنمائی بیان کردہ اجزائے کلام سے بخوبی ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر یہ حذف کسی قصہ میں ہو تو محذوف جز، ایک غبی اور کند ذہن آدمی کے سوا ہر شخص پر واضح ہوتا ہے۔ سورہ یوسف میں قصہ کے حذف کی متعدد مثالیں موجود ہیں[1]۔ جب حذف دلائل یا امثال میں ہو تو محذوف کسی ایسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتا جس کا ذہن بیدار اور عقل روشن ہو، جیسا کہ اکثر اہل عرب کا حال تھا۔ اگر عربوں کے اشعار، ان کے خطبے، مسجع کلام اور حکیمانہ اقوال ہم تک نہ پہنچے ہوتے تو ہم ان کو بھی دوسری اقوام ہی کی صف میں رکھتے۔ لیکن جب ہم ان کے ایسے افراد کا شاندار کلام دیکھتے ہیں جو لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے تھے یا ان کی خواتین کا کلام، بالخصوص وہ کلام جو ارتجالاً کہا گیا، دیکھتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ اہلِ عرب نہایت ذہین تھے۔ وہ بات کو اجزائے کلام کے پورا ہونے سے پہلے ہی سمجھ جاتے، طویل کلام کو عیب سمجھتے اور ایجاز و اختصار ان کو پسند تھا۔ قدیم اہل یونان میں سے اسپارٹا کے لوگ اپنے بعض اخلاق میں عربوں سے مشابہ تھے۔ ان کے کلام کو دیکھو تو اس میں

عربوں کے کلام کی خصوصیات نظر آئیں گی۔

٢۔ بعض اوقات کلام میں حذف نہیں ہوتا لیکن بظاہر اس کا گمان ہوتا ہے۔ جس مضمون کے محذوف ہونے کا شبہ ہوتا ہے وہ آگے آنے والی آیات میں دوسرے اسلوب میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ اگر اس کو پہلے بیان کر دیا جاتا تو وہاں وہ زائد از ضرورت ہوتا۔ اس کے برعکس کہیں ایک ہی بات کو دوبارہ کہا گیا ہے جس کا مقصد تاکید ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ (البلد: ١١-١٣)

پر اس نے گھاٹی نہیں پار کی اور تم کیا سمجھے کہ کیا ہے وہ گھاٹی۔ گردن کو چھڑانا یا بھوک کے زمانے میں کھلانا۔

اسلوب میں اس طرح کی تبدیلیاں قرآن کی خصوصیات میں سے ہیں۔ ایسے مقامات نحویوں کے لئے تو ایک مصیبت کھڑی کر دیتے ہیں لیکن ان کی بدولت بیان نہایت آسان واضح اور شیریں ہو جاتا ہے۔

٣۔ متکلم کی مزاجی کیفیت سے ناواقفیت بھی فہم نظم میں مشکل پیدا کرتی ہے۔ متکلم کبھی غصہ میں ہوتا ہے، کبھی حقارت یا حسرت سے بات کرتا ہے، کبھی وہ مخاطب سے منہ پھیر کر بات کرتا ہے۔ کلام میں ان جذبات کے اظہار کی مخفی علامات موجود ہوتی ہیں لیکن جو شخص واقف حال نہیں ہوتا وہ ان پر مطلع نہیں ہونے پاتا۔ جو چیزیں اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں وہ کلام کا اسلوب اور اس کے معانی دونوں ہیں۔ اسلوب میں استفہام کا انداز، خطاب کا طرز، سرعت التفات، کلام کی درشتی اور اس کا طول وغیرہ شامل ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ نسا کی آیت ١٥٥ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور اس کے بعد کی آیات پر غور کرو۔[٤]

ان امور کے لئے کلام میں اگر کچھ ظاہری علامات ہوتیں تو اہل عجم کے لئے ان سے رہنمائی کا سامان ہو جاتا لیکن یہ چیز اعجاز کلام کی نوعیت کی ہے۔ اس کا تعلق کلام کی روح سے ہوتا ہے جس کی طرف رہنمائی بس قلب کی ضرورت ہی کر سکتی ہے۔ سننے والا کلام کے مدلول کو سمجھ جاتا ہے لیکن ایک مصنوعی ادیب پر اس کی حقیقت نہیں کھلتی۔

اگر کسی شخص کے اندر یہ خاصیت پائی جائے کہ وہ ایک ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہو جس میں حسرت، غضب، شفقت، وغیرہ جذبات کا اظہار بے حد زیادہ ہو حالانکہ اس کی اپنی کیفیت اس کے برعکس ہو تو ایسا شخص سب سے بلیغ اور وسیع تخیل کا مالک شمار ہوتا ہے اور یہ خصوصیت کلام کا سحر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کے کلام کی خصوصیات کا حامل کلام کہنا دوسرے لوگوں کے لئے اگرچہ مشکل ہوتا ہے لیکن ممکن ضرور ہے۔

ایک شخص اگر کسی بادشاہ یا حکیم کا کلام اس کے شکوہ، کبریائی اور رفعت کو ملحوظ رکھ کر اسی کی طرح کہنے پر قادر ہو جائے کہ وہ سننے والوں کو بھی شبہ میں ڈال دے تو ایسا شخص فن خطابت کے بلند ترین مرتبہ کا حامل ہوتا ہے۔ البتہ اس کا عیب بھی کبھی کبھی ظاہر ہو جاتا ہے، جیسا کہ کہاوت ہے:

لیس التکحل فی العینین کالکحل — آنکھوں میں سرمہ لگانا ان کی قدرتی سیاہی کا بدل نہیں ہوتا۔

المرء مخبوء تحت لسانہ — آدمی کی شخصیت کی پہچان اس کی زبان سے ہو جاتی ہے۔

اگر عیب کلام سے ظاہر نہ بھی ہو جب بھی کلام پیش کرنے والا شخص بادشاہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دونوں دو مختلف انسان ہیں۔

اگر کوئی شخص کلام الٰہی کی نقل کرنے کی جسارت کرے اور اپنے اس کلام کو ایسے دانشوروں، خطیبوں اور شاعروں کے سامنے پیش کرے جو کلام کو پہچانتے اور اس کی روشنی میں اس شخص کے کلام کا تنقیدی جائزہ لے سکتے ہوں تو عقل یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی کہ یہ لوگ کلام میں بلندی کی جگہ پستی اور اس کے انداز میں آدمی کے دعوے کے برعکس مختلف انداز کلام کو بھانپ نہ سکیں۔ ملٹن (MILTON) جیسے ادیب نے یہ غلطی کی ہے کہ شیطان کے کلام کو بھی وہی انداز دے دیا ہے جو صرف رب کے کلام کو زیبا ہے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ قرآن نے اللہ تعالیٰ کے جلال، اس کی عظمت شان اور اس کے

اقتدار کی قوت کو اس طور سے نمایاں کیا ہے کہ جس کی مثال کسی دوسرے دین میں نہیں ملتی ۔ کلام الٰہی کا انداز بھی اس کے علوئے شان کے عین مطابق ہے اور اس کی منزلت سے کسی طرح کم تر نظر نہیں آتا۔ اس کلام پر یہ آیت بالکل صادق آتی ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (حشر: ۲۱)	اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خشیت الٰہی سے پست اور پاش پاش ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

اہل عرب نے قرآن کے اندر رفعت و شکوہ محسوس کیا تو پہلے اس کو شعر کی طرف نسبت دی کیونکہ وہ شعر ہی کو دلوں کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والی چیز سمجھتے تھے۔ پھر جب وہ اس نسبت سے خود مطمئن نہیں ہوئے تو انھوں نے قرآن کو سحر قرار دیا۔ ان کا خیال یہ بھی ہوا کہ یہ جنوں کا کارنامہ ہے اسی لئے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنا شروع کر دیا۔

۴۔ قرآن کریم میں کہیں کہیں متفرق آیات آتی ہیں، پھر ان کے بعد کوئی ایسی حقیقت بیان ہوتی ہے جو ان متفرق آیات کو جمع کر لیتی اور ان میں وحدت پیدا کر دیتی ہے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ وہ متفرق آیات بعد میں بیان ہونے والی حقیقت کی تمہید کے طور پر تھیں۔ اس کی مثال سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۹ ۔ ۱۷۷ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۵۔ نظم کے مخفی ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمہیدی مضامین اور معترضہ جملے عام انداز میں بیان ہوئے ہیں جب ایسے مقامات پر کلام کا رخ کسی خاص جانب کو ہے۔ ایسے مواقع پر لازم ہوتا ہے کہ عام کو بھی اس کی خاص جہت کی طرف لوٹایا جائے۔

۶۔ متعدد مقامات پر کلام میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے لیکن موقع ایسا ہوتا ہے کہ بات کو خاص کر دینا مقصود نہیں ہوتا۔ کچھ چیزیں تو ہیں ہی ایسی کہ جن میں اشتباہ کو برقرار رکھنا ہی مطلوب ہے، مثلاً قیامت کی گھڑی جس کا وقت واضح نہیں کیا گیا۔

قاری کے فہم پر مبنی وجوہ

۱۔ مفسر کا کسی خاص فن سے تعلق یا اس میں اختصاص بھی نظم قرآن کو مخفی کرنے کا باعث

بن جاتا ہے۔ علمِ کلام سے شغف رکھنے والا ہر چیز میں مسئلہ جبر و قدر کا حل تلاش کرے گا، جیسا کہ امام رازیؒ کی تفسیر میں تم دیکھتے ہو۔ صوفیانہ مزاج کا حامل مفسر ہر آیت میں روح کی حقیقت اور باری تعالیٰ کے ساتھ اس کی نسبت کو تلاش کرتا نظر آئے گا۔ ایک فقیہ فروعی احکام کو زیادہ اہمیت دے گا۔ ایک محدث غیر مشہور روایات کو بھی جید قرار دے کر کوئی ایسی چیز پیش کر دے گا جس سے نظمِ قرآن کا سر رشتہ گم ہو کر رہ جائے۔

۲۔ شک میں مبتلا ایسے کثیر لوگ ہیں جو کسی ایک رائے پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ مختلف اقوال کو تفسیر کے طور پر جمع کر لیتے ہیں۔ ان مختلف اقوال کے اندر سے ایک ایسا قول برآمد کرنا مشکل ہو جاتا ہے جس سے نظم کلام درست ہوتا ہو۔

۳۔ بعض لوگ کسی خاص مقصد سے قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ الفاظ کو پھیر کر اپنے مطلب کے ایسے معانی پہنا دیتے ہیں جن کی قرآن میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ وہ ہر کمزور معنی پر، جو ان کی موافقت میں ہو، اعتماد کر لیتے ہیں اور ہر اس واضح معنی سے، جو ان کے غیر موافق ہو، آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

۴۔ نظم قرآن کے مخفی رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مدنیت کے تقاضوں سے لوگوں کی طبائع ان لوگوں سے بے حد مختلف ہو چکی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ شہریوں کے اندر خاص میلانات پیدا ہو جاتے ہیں، طبیعتیں ایک غیر فطری سانچے میں ڈھل جاتی ہیں جو اس فطری سادگی سے کوسوں دور ہوتا ہے جو آزاد فضا میں رہنے سے حاصل ہوتی ہے اور جس میں کوئی کجی نہیں ہوتی۔

قرآن میں گہرائی ہے لیکن اس کے باوجود وہ محدود و مقید نہیں ہے۔ چونکہ اس کا سرچشمہ فطرت سے پھوٹا ہے اس لئے اس میں رفعت بھی ہے اور وسعت بھی۔ شہری اور بدوی عقل میں وہی فرق ہے جو ان کی بصارت میں ہے۔ شہریوں میں تم زرقاؓ کو پاؤ گے نہ ابن حلزہؓ کو اور بدویوں میں تمہیں کوئی حریریؒ نہیں ملے گا جو غیر مانوس الفاظ اور منقش زبان لکھتا ہو۔

تفاسیر میں خطا کے اسباب

تفسیر میں خطا کی دراندازی ان تمام اسباب کے باعث ہوتی ہے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا

ہے۔ ان کے علاوہ دو اور خاص پہلو ہیں جن کے باعث تفسیر غلط ہوتی ہے۔ یہاں ہم ان کا ذکر کریں گے۔

۱۔ جب سے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب میں فرقہ واریت اختیار کی ہے ہر فرقہ نے ایک خاص مذہب کو اختیار کر لیا ہے جو فروعات میں دوسرے فرقہ سے بالکل الگ ہے۔ اس نے یہ بھی مان لیا ہے کہ اگر اس فرقہ کے مذہب کی مخالفت میں کچھ کہا جائے گا تو وہ باطل محض ہو گا۔ چنانچہ تمام فرقوں نے قرآن کی تاویل بھی اپنے اپنے مذہب کے مطابق کر دی۔ وہ قرآن کی طرف دل کی سادہ لوح کے ساتھ نہیں آئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفسرین کی تفسیریں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئیں۔ ایک مفسر کے لئے واجب ہے کہ تفسیر کرنے سے پہلے وہ کوئی مخصوص مذہب نہ رکھتا ہو۔ ایک مقلد کے لئے قرآن میں غور کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

پاک شو اول وپس دیدہ برآں پاک انداز

۲۔ متکلمین کا رجحان یہ ہے کہ وہ ہر اس حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں جو ان کے نقطۂ نظر کے خلاف دلیل بنتی ہو۔ وہ کسی چیز کا توڑ کرنے کے لئے سب سے قوی ذریعہ اختیار کرتے ہیں اور یہ قوی ترین ذریعہ اس چیز کا انکار ہے۔ چنانچہ دیکھو گے کہ ابو مسلمؒ اور سید احمدؒ نے قرآن میں نسخ کا انکار کر دیا۔ حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اسی طرح سید احمد نے جب دیکھا کہ ظاہر قرآن کے لحاظ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معجزہ کی نفی ثابت ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو اس اعتبار سے حضورؐ پر فوقیت حاصل ہوتی ہے تو انھوں نے معجزہ ہی کا انکار کر دیا۔

نظم کی رعایت کے بغیر تفسیر اختلاف کا باعث ہے

ہم یہ دکھانے کے لئے کہ نظم کا لحاظ کئے بغیر کسی آیت کی تاویل کس طرح مختلف ہو جاتی ہے اور نظم کی رعایت کیسے اس کو واضح کر دیتی ہے، ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ سورۂ نور کی آیت ۶۳:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

کے تحت امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت کے مفہوم کے کئی پہلو ہیں۔ مبرد اور قفال نے جس پہلو کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں جو حکم دیں اور تمہارے لئے جو دُعا کریں اس کو وہ حیثیت نہ دو جو تم آپس میں ایک دوسرے کے حکم یا دعا کو دیتے ہو۔ کیونکہ ان کا حکم ایک فرض لازم ہے۔ جو چیز اس مفہوم کی دلیل فراہم کرتی ہے وہ اس کے بعد کا جملہ:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ — پس جو لوگ اس کے حکم سے گریز کرتے رہتے ہیں اس بات سے ڈریں کہ : ، ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس طرح نہ پکارو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یعنی یا محمدؐ اور یا ابا القاسم مت کہو بلکہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہا کرو۔ یہ تاویل سعید بن جبیر کی ہے۔

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پکارتے میں اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ گویا اس آیت کی مراد بھی وہی ہے جو آیت:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ — الآیہ کی ہے۔ یہ تاویل حضرت ابن عباسؓ کی ہے۔

اس کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بد دعا سے بچو جس کا وبال ان کو ناراض کرنے کی صورت میں تم پر آ پڑے گا۔ ان کی بد دعا دوسرے لوگوں کی بد دعا کی طرح نہ ہوگی۔

ان میں سے پہلی تاویل آیت کے نظم سے قریب تر ہے۔"

امام صاحب نے اس تاویل کو قابلِ ترجیح قرار دیا ہے جس کے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ اس میں نظم قرآن کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ہمارے خیال میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تمہیں بلائیں تو لازم ہے کہ ان کے پاس آؤ، خواہ یہ بلانا تمہارے حق میں ہو یا تمہارے خلاف۔ اور ان کی بات سنو اور اس کی تعمیل کرو۔ جب تک رسول اللہ ﷺ اس معاملہ کا فیصلہ نہ کر دیں جس کے لئے انھوں نے تم کو طلب کیا ہے، اس وقت تک ان کے پاس سے رخصت نہ ہونا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت گناہ ہے۔ آیت کے اس مفہوم کے حق میں پوری آیت کا مضمون دلیل مہیا کر رہا ہے۔ پوری

آیت یوں ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (نور: ۶۳)	تم لوگ رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں سے اچھی طرح باخبر رہا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک جایا کرتے رہے ہیں پس جو لوگ اس حکم سے گریز کرتے رہے ہیں اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی آزمائش آجائے یا ان کو ایک دردناک عذاب آپکڑے۔

ہماری بیان کردہ تاویل کے حق میں ایک واضح دلیل اسی سورہ کی آیات ۴۷ تا ۵۲ ہیں۔ ممکن ہے مبرد اور قفال کے پیش نظر بھی یہی بات رہی ہو اور امام رازیؒ نے اس کو نہ سمجھا ہو۔

حواشی

لہ مثلاً سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کی دعا کا ذکر ہے کہ اے رب مجھے قید خانہ گناہ کی زندگی سے زیادہ محبوب ہے، اور عزیز مصر کے اہل خاندان کا یہ فیصلہ بھی بیان ہوا ہے کہ یوسف کو کچھ مدت کے لئے قید کر دیا جائے لیکن ان کے قید کئے جانے کا ذکر الفاظ میں نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے وزیر بننے کے بعد ان کے انتظامات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا کہ قحط سے قبل انھوں نے غلے کی حفاظت کیسے کی اور قحط کے دوران اس کی تقسیم کا اہتمام کیا ہوا۔ قصہ یک لخت بھائیوں کی مصر آمد پر آٹکتا ہے۔ بھائیوں کی پہلی اور دوسری آمد کے درمیان کی تفصیلات بھی حذف ہیں۔ قاری خود سمجھ لیتا ہے کہ فلاں واقعہ کے بعد کیا ہوا ہوگا۔ (مترجم)

کہ ان آیات میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے اور صاحب تدبر قرآن کے الفاظ میں "یہ تنبیہ اتنی سخت و شدید ہے کہ لفظ لفظ سے جوش غضب ابلا پڑ رہا ہے۔ پوری تقریر از ابتدا تا انتہا صرف فرد قرار داد جرائم پر مشتمل ہے اور کلام کے جوش اور روانی کا یہ عالم ہے کہ بات شروع ہونے کے بعد یہ متعین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ختم کہاں ہوئی اس قسم کے پر جوش اور پر غضب کلام میں عموماً خبر حذف ہو جاتی ہے، گویا متکلم کا جوش ہی خبر کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اور مبتدا ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ متکلم کیا کہنا چاہتا ہے۔" (مترجم)

۳؎ مراد زرقاء الیمامہ ہے جس کا تعلق یمامہ کے قبیلہ بنو جدیس سے تھا اور وہ نظر کی تیزی کے لئے مشہور تھی. کہا جاتا تھا کہ زرقا تین دن کی مسافت کے علاقے کو دیکھ سکتی ہے۔ (مترجم)

۴؎ حارث بن حلزہ یشکری۔ جاہلی شاعر جس کا قصیدہ معلقات میں شامل ہے۔ (مترجم)

۵؎ بصرہ کے مشہور ادیب قاسم بن علی حریری (م ۵۱۶ھ) جن کی متعدد کتابوں میں سے مقامات حریری بے حد مشہور رہے۔ (مترجم)

۶؎ مراد ابو مسلم اصفہانی (م ۳۲۲ھ) ہیں جن کی تفسیر جامع التاویل کے نام سے ہے۔ انھوں نے ایک کتاب الناسخ والمنسوخ کے نام سے لکھی جس کی طرف مصنف علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا ہے۔ (مترجم)

۷؎ مراد سر سید احمد خاں ہیں۔ (مترجم)

مطبوعاتِ ادارہ علوم القرآن

● **قرآنی مقالات:** دائرہ حمیدیہ (مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر) کے ترجمان "الاصلاح" کے منتخب مقالات کا مجموعہ جو اشی و حوالوں کے ساتھ جدید انداز میں اصولِ تفسیر، نظم قرآن اور دوسرے اہم قرآنی مباحث پر تحقیقاتی مضامین کا نادر مرقع

صفحات: ۳۳۰، قیمت عام ایڈیشن: =/۶۰، لائبریری ایڈیشن: =/۸۵

● **حقیقتِ نماز:** مولانا امین احسن اصلاحی

نماز کے موضوع پر مولانا امین احسن اصلاحی کی مختصر لیکن نہایت قیمتی اور اہم کتاب صفحات: ۶۰ قیمت: ۵ روپے

● **کتابیاتِ فراہیؒ:** ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی

☆ مفسرِ قرآن مولانا حمید الدین فراہی کی مطبوعات (کتب و مضامین) کے بارے میں ببلوگرافی کے جدید اصول کے مطابق مفید معلومات

☆ مولانا فراہی کی شخصیت، افکار و علمی خدمات پر مطبوعہ مواد کے مکمل حوالے۔

☆ ان کی نگارشات پر اہل علم کے تبصروں و تقاریظ کی نشاندہی

تینوں کتابیں معیاری کتابت اور افسیٹ کی عمدہ کتابت سے مزین

اداروں، کتب خانوں اور تاجرانِ کتب کے لئے خصوصی رعایت

ملنے کے پتے: ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳، چتلی قبر، دہلی ۱۱۰۰۰۶